R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۴۔ شمارہ ۴۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء

اداریہ

مجلس عام کے دو اہم فیصلے

انجمن نے ۵ دسمبر کے جلسے میں کئی اہم فیصلے کیے ہیں۔ اوّل تو اردو کے لیے سیاسی پارٹیوں، قومی اداروں، پارلیمنٹ کے ممبران مجلس قانون ساز کے ممبران دوسری زبانوں کے حامیوں اور اخبار نویسوں کی تائید حاصل کرنے کا ایک پروگرام بنایا ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ایک نمائندہ کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ اس طرح انجمن نے یہ واضح کیا ہے کہ اسے جمہوریت پر اعتماد ہے اور وہ یقین رکھتی ہے کہ اردو کے مطالبے کو ماننے والے ابھی تک یا تو اردو کے قومی کردار کو پوری طرح سمجھ نہیں پائے یا ان کو ابھی تک اردو کے بارے میں غلط فہمیاں ہیں اور اگر ان کو ہم اردو کے کیس سے اچھی طرح واقف کر سکے تو یہ مسلّم ہے کہ ہر طرف سے بڑے پیمانے پر اردو کی حمایت ہوگی اور پھر حکومت خود مناسب اقدامات کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ امید ہے کہ یہ کام نئے سال کے آغاز سے ہی شروع ہو جائے گا۔ ہم ہمیشہ کہتے آئے ہیں کہ جمہوری حکومتیں رائے عامہ کی پابند ہوتی ہیں اور اس لیے صرف حکومت کو توجہ دلانا کافی نہیں، گو وہ بھی ہونا چاہیے۔ رائے عامہ کو اپنے ساتھ لینا زیادہ ضروری ہے۔

دوسرے انجمن کی مجلس عام کے ممبر اب تک لائف ممبر ہوتے تھے۔ اپنی جگہ یہ بات غلط نہ تھی، مگر انجمن یہ بھی غور کر رہی تھی کہ انجمن جو اتنی بڑی تنظیم ریاستی اور مقامی شاخوں کی بنائی اس کی بھی نمائندگی مجلس عام میں ہونی چاہیے۔ چنانچہ دستور میں ترمیم کی گئی ہے کہ علاوہ لائف ممبران اور صدر کے نامزد کردہ ممبران کے، ہر ریاستی شاخ کا ایک نمائندہ بھی مجلس عام میں لیا جائے گا۔ اس طرح انجمن کی سب سے بڑی اور ذمے دار جماعت میں اس کی شاخوں کی مناسب نمائندگی ہو سکے گی اور اس طرح انجمن اور عوامی ہو جائے گی۔ موجودہ قاعدے کے مطابق جو ممبر چار جلسوں میں شرکت نہیں کرتا اس کی ممبری ختم ہو جاتی ہے گو وہ دوبارہ ممبر ہو سکتا ہے۔ اب نیا قاعدہ یہ بنایا گیا ہے کہ موجودہ ممبر تو لائف ممبر رہیں گے، مگر ان میں سے کسی کی ممبری اگر غیر حاضری کی وجہ سے ختم ہو گئی تو وہ جگہ آئندہ پانچ سال کے لیے پُر ہوگی اور اس پر وہی ممبر یا کوئی دوسرا ممبر چنا جا سکے گا۔ اس طرح بھی انجمن کی مجلس عام میں لائف ممبران کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہوتی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے جب اس قسم کے ممبر بھی صرف پانچ سال کے لیے منتخب ہوں۔

صدر انجمن وزیر اعظم کو یاد دہانی کر رہے ہیں کہ انجمن کی عرضداشت کے سلسلے میں ابھی تک انھوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ ان کا جواب آنے پر انجمن آئندہ کے اقدامات پر غور کرے گی لیکن ہمیں امید ہے کہ رائے عامہ کی ہمدردی سے ہمارے مطالبے کے منظور ہونے میں بہت مدد ملے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اتر پردیش کے مسئلے پر سب سے پہلے توجہ ہو جائے کیونکہ وہاں

اس شمارے میں

اگر مناسب کارروائی ہوگی تو ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو جائے گی اور دوسرے مقامات پر بھی قدم اٹھانے میں آسانی ہوگی۔

حکومت کو اب اس مسئلے میں لیت و لعل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جتنی دیر ہوتی ہے اتنی ہی لسانی اقلیتوں میں بددلی اور مایوسی بڑھتی جاتی ہے اور اسی تناسب سے ملک کی تعمیر کے کاموں میں ان کی شرکت کمزور ہوتی ہے۔ اس وقت ہمیں سب عناصر کے جوش و جذبے سے کام لینا ہے اس لیے اردو کے حقوق کا تحفظ صرف اردو دوستوں کے نقطۂ نظر سے ہی نہیں، قومی یک جہتی اور ملک کے شاندار مستقبل کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے بھی ضروری ہے۔

کاوش بدری کی مثنوی قبلہ نما کا اجراء

مدراس مورخہ ۲۷ر نومبر یونیورسٹی آف مدراس میں کاوش بدری (مصنف شہر دعا گجلی) کی دوسری منظوم تصنیف مثنوی قبلہ نما (مجلس مصنفین مدراس کے سلسلۂ اشاعت کی تیسری کڑی) کا اجرا عمل میں آیا۔ قاضی مولانا مفتی الحاج محمد حبیب اللہ صاحب نے صدارتی فرائض انجام دیے۔ پروفیسر مولانا محمد یوسف کوکن عمری (صدر شعبۂ عربی فارسی اردو یونیورسٹی آف مدراس) نے اجرائی رسم ادا کی۔ جناب کمال مدراسی نے تحریک صدارت کے بعد بلیغ انداز میں معزز مہمانوں کا خیر مقدم فرمایا اور اجمالی طور پر کاوش بدری اور ان کی مثنوی کا تعارف کرایا اور بطور خصوص ایک نظم بھی اس تقریب کے سلسلے میں سنائی۔

(نامہ نگار)

نہرو کی "آپ بیتی" فارسی میں

لکھنؤ ۳ر دسمبر۔ محبوب ہندوستانی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح حیات "میری کہانی" کا فارسی جدید میں ترجمہ طہران میں شائع ہو گیا ہے۔

یہ ترجمہ پروفیسر ایم تفضلی نے کیا ہے جو ایران کے ایک مشہور مصنف ہیں اور آج کل ہندوستان میں ایرانی سفارت خانے کے کلچرل اٹیچی (ثقافتی رابطہ افسر) ہیں۔

پروفیسر تفضلی پنڈت نہرو کی عظمت کے بڑے معترف ہیں اور آج کل پنڈت جی کی دوسری کتاب "تلاش ہند" کے فارسی ترجمے میں مصروف ہیں۔

(قومی آواز)

"غبار خاطر" فارسی میں

لکھنؤ ۴ر دسمبر۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے خطوط کے مجموعے "غبار خاطر" کا فارسی ترجمہ پروفیسر تفضلی (ایرانی سفارت خانے کے کلچرل اٹیچی) کی اہلیہ نے کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔

مولانا آزاد نے یہ خطوط قلعہ احمد نگر میں نظر بندی کے زمانے میں تحریر کیے تھے، مولانا آزاد جو اس وقت کانگرس کے صدر تھے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبروں کے ساتھ اگست ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ دو تحریک شروع ہونے پر گرفتار کر لیے گئے تھے اور ۱۹۴۵ء تک نظر بند رہے۔

پروفیسر تفضلی کی اہلیہ نے براہ راست اردو سے یہ ترجمہ کیا ہے۔

علاقائی زبانوں کی ترقی کے لیے مشاورتی کمیٹی

نئی دہلی ۸ر دسمبر۔ نائب وزیر برائے تعلیم جناب بھگوت درشن نے آج لوک سبھا میں ایک تحریری جواب میں بتلایا کہ علاقائی زبانوں کو ترقی دینے کے مختلف پہلوؤں پر حکومت کو صلاح و مشورہ دینے کی غرض سے ایک مشاورتی ادارے کا قیام جس کا نام بھارتیہ بھاشا سمتی ہوگا حکومت کے زیر غور ہے۔

اس ادارہ کا کام ہندی اور سنسکرت کے علاوہ تمام دوسری ہندوستانی زبانوں کی ترقی کے عام مسائل پر حکومت کو مشورہ دینا ہوگا۔

کمیٹی میں ریاستی حکومتوں کے نمائندے ممبران لوک سبھا و راجیہ سبھا، ممتاز عالم اور ادیب اور کچھ افسران شامل کیے جائیں گے۔

گیتانجلی کا اصل مسودہ

نئی دہلی ۴ر دسمبر ۱۹۶۵ء بھارت سرکار نے ہارورڈ یونیورسٹی سے گیتانجلی کے اصل مسودے کی ایک مائکرو فلم نقل خریدی ہے۔ یہ نقل کلکتہ کی قومی لائبریری میں رکھی جائے گی۔

بھارت سرکار کو حال ہی میں یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی تصنیف گیتانجلی کے انگریزی ترجمے کے اصل مسودے کا ایک نسخہ سور اتھینسٹین کو دیا تھا اور بعد میں ہارورڈ یونیورسٹی نے یہ نسخہ ان سے خرید لیا تھا۔ اس سلسلے میں مرکزی وزارت تعلیم نے ہارورڈ یونیورسٹی سے درخواست کی کہ وہ یہ مسودہ وشوبھارتی یونیورسٹی کو بطور عطیہ دیدے۔ اگرچہ یونیورسٹی اس پر رضامند نہ ہوئی لیکن اس نے گیتانجلی کی ایک مائکرو فلم کاپی قیمتاً دینا منظور کر لیا چنانچہ یہ کاپی اب وصول ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر محمود الٰہی

کچھ کربل کتھا کے بارے میں

شمالی ہند میں اردو نثر کے آغاز و ارتقاء پر کام کرنے والوں کے نزدیک فضلی کی "کربل کتھا" کی جو اہمیت رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یوں تو اس کی نشان دہی پہلی بار طبقات شعرائے ہند کے مولف مولوی کریم الدین نے کی لیکن محمد حسین آزاد کی "آب حیات" کے ذریعہ اس کی شہرت عام ہوئی۔ ادبی حلقوں میں اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی ہے کہ اس کتاب کا کوئی نسخہ مل جائے تو وہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے۔ دو تین سال سے باخبر حلقے سرگوشیاں کر رہے تھے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ مل گیا ہے اور اب اس کی اشاعت میں دیر نہیں ہے۔ گذشتہ اکتوبر میں دیر آید درست آید کا مصداق بن کر "کربل کتھا" شائع ہو گئی۔ ملک کے دو ممتاز محققین جناب مالک رام اور (میرے کرم فرما) ڈاکٹر مختار الدین احمد نے اس کی ترتیب و تحشیہ میں جو خون جگر صرف کیا ہے، اس پر انھیں جتنی بھی مبارک باد دی جائے کم ہے۔ بلامبالغہ یہ کتاب اردو میں تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

یہاں مرتبین کی ایک اہم فروگذاشت کا ذکر کرنا ہے،

کتاب کے گزارش سے لے کر مقدمہ اور حواشی تک میں ایک سے زائد بار اس یقین کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ متن اس نسخے پر مبنی ہے جو مولوی کریم الدین کے پاس تھا اور جس کا ایک طویل اقتباس انھوں نے طبقات شعرائے ہند میں نقل کیا تھا۔ کربل کتھا (مطبوعہ) کی یہ سطریں مثال میں پیش کی جا رہی ہیں:

(الف) "اس کا (کربل کتھا کا) قلمی نسخہ مولوی کریم الدین کے پاس تھا، انھوں نے اس کا اپنے تذکرے طبقات شعرائے ہند میں ذکر کیا ہے۔ مولوی کریم الدین نے یہ خطی نسخہ اپنے محسن اور دوست ڈاکٹر اشپرنگر، پرنسپل دلی کالج کی نذر کر دیا اور وہ اسے اپنے ساتھ جرمنی لے گئے چونکہ کتاب کا کوئی اور نسخہ کسی کے پاس تھا نہیں اس طرح ہندوستان اپنی اس متاع عزیز سے گویا بالکل محروم ہو گیا۔۔۔۔۔ یہ اس وقت توبنگن یونیورسٹی (جرمنی) کی تحویل میں ہے۔ وہیں سے کربل کتھا کا عکس لے کر اسے علمی دنیا کے سامنے پہلی مرتبہ پیش کیا جا رہا ہے"

(گزارش)

(ب) "یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ انھیں (ڈاکٹر اشپرنگر کو) مولوی کریم الدین سے ملا، مولوی کریم الدین ان کے ممنون احسان تھے، جن ایام میں اپنے شرکا کی مہربانی کی بدولت ان کا کاروبار برباد ہو گیا اور وہ تنگ حال تھے اشپرنگر نے انھیں دلی کالج کی "ترجمہ سوسائٹی" کی طرف سے ترجمے کا کام دیا جس سے ان کی حالت بہت سدھر گئی۔۔۔۔۔۔ ممکن ہے کہ اشپرنگر نے کریم الدین کے پاس کربل کتھا کا اہم اور نادر نسخہ دیکھ کر اشتیاق ظاہر کیا ہو، اور اس پر کریم الدین نے اسے ان کی نذر کر دیا ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کی تالیف ۱۸۴۷ء سے قبل وہ اسے اشپرنگر کو دے چکے تھے، غرض اس طرح یہ نسخہ جرمنی پہنچا"

(کربل کتھا مقدمہ ۲۶)

(ج) "چونکہ بگمان غالب یہ نسخہ اولاً مولوی کریم الدین کے پاس تھا جسے انھوں نے اشپرنگر کی نذر کر دیا۔۔۔۔۔۔"

(کربل کتھا مقدمہ ص ۴۱)

صورت حال یہ ہے کہ مرتبین کا یہ "یقین" اور یہ "گمان غالب" ان کے درجہ غلو پر پہنچے ہوئے حسن ظن کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مولوی کریم الدین کا نسخہ اشپرنگر کے نسخے سے مختلف تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ کریم الدین اور ان کے طبقات شعرائے ہند کے بیشتر ذکر کرنے کے باوجود مرتبین نے اس کی زحمت نہیں کی کہ طبقات میں دیے گئے اقتباس سے اشپرنگر کے نسخے سے متعلقہ حصہ کا مقابلہ کر لیتے۔ اس طرح انھیں معلوم ہو جاتا کہ دونوں نسخوں میں کتنا اختلاف ہے۔

مولوی کریم الدین نے طبقات میں اپنے نسخہ کا اقتباس نقل کرنے سے پہلے واضح الفاظ میں یہ کہا تھا:

"سبب تصنیف اوس کتاب کا جو اوس نے فضلی نے بیان کیا ہے بعینہٖ اوس کی عبارت سے نمود کا ست لکھتا ہوں"

اس کے بعد کریم الدین نے طویل اقتباس پیش کیا ہے، جس سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ ان کے پاس کوئی اور نسخہ تھا۔ یہاں دونوں نسخوں سے مثال کے طور پر چند سطریں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) "۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نسیم تحقیقی اور کعبہ تحقیق میرے نواب مستطاب معلی القاب اشرف نواب والا مقام نواب شرف علی خاں سلمہ اللہ الملک المنان ہر سال تعزیہ ابو عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بجلوس نشست اندرون محل کلی بموجب

"........" [طبقات ص ۵۰]

"....... قبلۂ حقیقی اور کعبۂ تحقیقی میرا نواب مستطاب معلی القاب، شرافت مآب، نجابت نصاب، خورشید جناب، جلال رکاب، امارت مرتبت، شجاعت منزلت، سخاوت مکرمت، نظم

وجودش در دریائے فضائل
کفش گوہر فشاں بر فرق سائل
سپہر جود را خورشید انور
بہ باغ فضل سرو سایہ گستر
امین دولت و خاقان زمانہ
بحسن خلق در عالم فسانہ
افاضل پرور و عالی مناصب
فضیلت گستر و وافر مناقب
مساند زیب محفل دعوت رنگیں
مقاصد بخش ارباب مساکیں

اعنی نواب بابا ام نواب شرف علی خاں، سلمہ اللہ الملک المنان، اشرف قدرہٗ، و شرح صدرہٗ،

شرف کون قدر اس کی سے شرافت
علی کی اوس کے اوپر تھی عنایت

غلام معتقد اوچیانکہ معصومین رہنما کا، اور تعزیہ دار سید الشہدائے کربلا کا، کہ حق تعالیٰ تصدق سرنا حق بریدۂ امام حسین مظلوم کے اوسے ایمان عطا کرے اور سایہ بلند پایہ اوس غلام دودمان امام کا مجھ عاصی رہی کے سر پر سلامت رکھے، ہر سال تعزیہ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ خلوص نیت اندرون محل مخفی بموجب ......"

(کربل کتھا ص ۳۷)

(ب) "........ حسب الارشاد اوس قبلہ گاہ کے روضۃ الشہدا کا خلاصہ کر سب نکتہ سنجان مناقب ...."

[طبقات ص ۵۷]

"........ حسب الارشاد اوس قبلہ گاہ کے خلص روضۃ الشہدا کا کو سب نکتہ سنجان مناقب ...."

(کربل کتھا ص ۳۷)

(ج) "........ لیکن معنی اوس کے عورتوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔"

(طبقات ص ۵۷)

"........ لیکن معانی اوس کے نساء و عورات کی سمجھ میں نہ آتے تھے"

(کربل کتھا ص ۳۷)

ڈاکٹر اشپرنگر اور مولوی کریم الدین کے خوشگوار تعلقات اپنی جگہ پر، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اختلافات نسخ کے باوصف نسخۂ اشپرنگر کو نسخۂ کریم الدین کہہ دیا جائے، اگر مرتبین کو ان اختلافات کا علم تھا اور اس کے باوجود انھیں اپنے یقین اور گمان غالب پر اصرار تھا تو مقدمہ میں اس کی توجیہ کی گنجائش بھی ـــــ گنجائش آج بھی ہے کیونکہ ابھی ایک غلط دعوی کی بنیاد استوار نہیں ہوئی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ کریم الدین کا نسخہ اشپرنگر والے نسخہ سے مختلف تھا تو کریم الدین کے بیانات کی اہمیت آج بھی باقی ہے فضلی اور کربل کتھا کے بارے میں ان کے بیانات اس نسخہ کی بنیاد پر تھے جو ان کے پاس تھا، ان بیانات کی تردید قوی تر دلایل سے ہو سکتی ہے۔ جب انھوں نے یہ کہا کہ اس کا نام "دہ مجلس" تھا یا جب انھوں نے کربل کتھا کی تصنیف کے وقت فضلی کی عمر ۲۲ سال بتائی تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے غلطی کی۔ کربل کتھا کے ایک ایسے نسخہ کے سہارے جس میں کوئی ترقیمہ نہ ہو اور جس کی قدامت و ثقاہت ثابت کرنے کے لیے قوی شہادتیں نہ ہوں، کریم الدین کے بیانات اعتماد کے ساتھ رد نہیں کیے جا سکتے۔

اگر مرتبین نسخۂ اشپرنگر کو کریم الدین کا نسخہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتے، اس حالت میں بھی ان کی محنت اور دیدہ ریزی پر حرف نہ آتا، انھوں نے ترتیب و تحشیہ کا جو نمونہ پیش کیا ہے (جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے) وہ اردو میں تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

تصحیح

یکم دسمبر ۱۹۶۵ء کے ہماری زبان میں "حضرت فراق کی ایک غزل" کے عنوان سے میر عرفانی سرمدی کا جو مراسلہ شایع ہوا ہے اس میں کاتب صاحب کے "سہو قلم" سے "میر عرفانی کو" "میر عارفی سرمدی" لکھ دیا ہے ناظرین ہماری زبان تصحیح فرمالیں۔

(ادارہ)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (ادارہ)

غزلیں

نشور واحدی

شبِ خمار تجھے یار تک آپہونچی ہے
گفتگو رازِ غمِ سرشار تک آپہونچی ہے

کتنے رنگین فسانوں کا نیا ہے عنواں
وہ شکایت جو لبِ یار تک آپہونچی ہے

مجھ سے بیگانہ نہیں دل میں تری یاد مگر
یہ محبت ہے جو انکار تک آپہونچی ہے

رنگ چہرے کا بتاتا ہے کہ دل کی اک موج
جھلکی جھلکی ترے رخسار تک آپہونچی ہے

نکہتِ گل سے اٹھا شور سا گلزاروں میں
اب یہ زنجیر بھی جھنکار تک آپہونچی ہے

اب تو ہم کوچہ میں بھی چین نہیں غمِ دل
آگ اک سایۂ دیوار تک آپہونچی ہے

جب کوئی راز محبت کا ہوا ہے افشا
بات کھچتی ہوئی تلوار تک آپہونچی ہے

موت کا کس لیے احسان اٹھائے کوئی
زندگی خود رسن و دار تک آپہونچی ہے

پھر فضاؤں میں وہی شورشِ محشر ہے بپا
پھر یہ آندھی اسی رفتار تک آپہونچی ہے

میرے افسانے بھی دنیا کی زبانوں کے سخن
بے زبانی مری گفتار تک آپہونچی ہے

آج سچا نہیں شاعر کے سوا کوئی نشور
شاعری عظمتِ کردار تک آپہونچی ہے

انتخاب شمسی

حلقۂ گردشِ دوراں سے نکل جائیں گے
آج ہم اُن کی نگاہوں سے بہل جائیں گے
ابھی تاریکیوں میں چاہو تو ہمیں اپنا لو
پھر نہ بہکیں گے جو اک بار سنبھل جائیں گے
وقت کے ساتھ بدلتا تو ہے موسم لیکن
غمِ دوراں ترا مفہوم بدل جائیں گے
جبرِ ساقی کو مقدر نہ کہو ہم نفسو!
ٹلنے والے ہیں جو طوفان وہ ٹل جائیں گے
دیکھ کر جوشِ جنوں لگتا ہے دیوانے آج
توڑ کر پاؤں کی زنجیر نکل جائیں گے
اے حقائق سے نگاہوں کو چرانے والو!
وقت کے تیز قدم تم کو کچل جائیں گے

آزاد گلاٹی

چراغ اپنے لہو سے جلا کے رستے میں
نشاں چھوڑ چلے ہم ہوا کے رستے میں

نفس نفس ہے معطر شبِ فراق میں بھی
پڑی نہ ہو تری خوشبو ہوا کے رستے میں

دلا کے آؤ کوئی اپنی وفاؤں کا احساس
بچھاؤں خار کیوں ان کی جفا کے رستے میں

چٹک رہے ہیں شگوفے مہک رہے ہیں چمن
وہ حسنِ ناز تھا شاید صبا کے رستے میں

نہ جانے کون سی منزل پہ آپ جا پہنچے
ہیں جلوؤں کے سبب بیٹھا کے رستے میں

کچھ اس طرح مجھے یادِ شباب آتی ہے
میں ڈھونڈتا تھا کوئی شے گنوا کے رستے میں

بچھا دیئے مجھے زمانے نے پاس کے پہرے
ہمارے جذبۂ صبر و رضا کے رستے میں

بھٹکتا چھوڑ گئی اپنی گونج میں آزاد
وہ اک صدا جو لبی تھی وفا کے رستے میں

بمبئی اردو کا مرکز ہے

ڈاکٹر رفیق زکریا

مہاراشٹر کی عام اور سرکاری زبان تو مراٹھی ہے لیکن یہاں بولی جانے والی دیگر تمام زبانوں کو پوری آزادی اور ان کے حقوق اور ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہیں۔ ان کی جیتی جاگتی مثال اردو زبان ہے۔ مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد تو اردو کو ریاست میں دوسری زبان کا درجہ حاصل ہو گیا اور سال بہ سال سے اردو زبان ریاست میں پروان چڑھ رہی ہے۔ اور مختلف شہروں اور قصبہ جات سے متعدد اخبارات و رسائل شائع ہوتے رہے ہیں۔ آزادی کے بعد سے تو مہاراشٹر کی راجدھانی بمبئی اردو زبان کا ایک مرکز بن گئی۔

تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک صدی قبل ملک کے دیگر حصوں کی طرح کمپنی کے عہد ہی سے بمبئی میں بھی دیگر زبانوں کے ساتھ اردو ادب و صحافت کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ بمبئی کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ یہاں جن بزرگ اور نامور ہستیوں کے طفیل اور سرپرستی سے اردو ادب و صحافت کا آغاز ہوا ان میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بھی شامل ہے۔ انھوں نے ایک ماہانہ رسالہ جو شاعری سے متعلق تھا، اس صدی کے شروع میں یہاں سے جاری کیا تھا۔

اٹھارویں صدی کے وسط میں بمبئی سے شائع ہونے والے اخبارات میں نجم الاخبار (۱۸۴۹ء) کشف الاخبار (۱۸۵۴ء) اور کاشف الاسرار (۱۸۵۰ء) کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں ۲۵ ستمبر ۱۸۹۰ء سے ایک اور اچھا اخبار جاری ہوا جس کا نام "سلطان الاخبار" تھا۔

انیسویں صدی کے شروع میں "مسلم ہیرالڈ" اور "مفید روزگار" کے نام سے دو ہفتہ وار اخبار نکلتے تھے۔ مسلم ہیرالڈ ایک زمانے میں روزنامہ بھی رہ چکا تھا۔ اسی زمانے میں پہلی جنگِ عظیم کے لگ بھگ "نصرت" کا اجرا ہوا۔ یہ بھی غالباً روزنامہ تھا۔ خلافت بمبئی سے شائع ہونے والا پہلا باقاعدہ روزنامہ تھا جسے صحیح معنوں میں اخبار کہا جا سکتا تھا۔ مولانا آزاد، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، عمر سبحانی اور صدیق کھتری جیسے اکابرینِ ملت کے فیض سے یہ اخبار ۱۹۲۱ء سے پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہوا۔

روزنامہ خلافت کی اشاعت کے سات آٹھ سال بعد ۱۹۲۸ء میں ایک اخبار کا اضافہ ہوا جس کا نام اجمل ہے۔ یہ حکیم اجمل خاں کی یادگار ہے۔

اجمل کے بعد ہلال، ہلالِ ہندوستان، اقبال، مسلم، انقلاب، آفتاب، جمہوریت اور اتحاد وغیرہ روزنامہ اخبارات کا سلسلہ ہے۔ جناب عبدالحمید انصاری صاحب نے ۱۹۳۸ء میں بمبئی سے "انقلاب" نکالا جس نے آج انصاری صاحب کی انتھک کوششوں سے بمبئی کی اردو صحافت میں ممتاز ترین مقام حاصل کر لیا ہے۔ بمبئی سے اس وقت شائع ہونے والے روزنامہ اخبارات کی تعداد ۸ ہے جن میں پرانے اخبارات خلافت، اجمل، انقلاب، اور ہندوستان شامل ہیں۔ ہفتہ واری تعداد ۱۲ اس سے کم کتنی ہو گئی جن میں عبدالحمید انصاری صاحب کا "کہکشاں"، آر. کے کرنجیا کا اردو "بلٹز"، دستوری صاحب کا "دورِ حیات" اور نازہ پرچہ "آئینہ" قابلِ ذکر ہیں۔

ماہناموں میں "شمع امید" کا ذکر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔

عابد صفی

اردو۔ صوبہ مدراس میں

یہ مدراس کی بدبختی ہے کہ اس خطے کو اردو ادب کی تاریخ میں مناسب جگہ نہیں دی گئی۔ حالانکہ حقیقت کا تقاضا یہ تھا جہاں ہند کے شمالی علاقوں نے اردو کو اپنی گود میں لینے کی کوشش کی تھی وہیں صوبۂ مدراس نے بھی اسے اپنے کلیجے سے لگایا تھا۔ آج بالکل نہیں بلکہ دو تین سو سال پہلے ہی۔ اور آج بھی یہ زبان یہاں اسی قدر ہر دلعزیز ہے جس قدر کہ اس وقت تھی۔ تاریخ کے اوراق ماضی کی طرف الٹتے جائیے اور دو ڈھائی سو سال پیچھے پہنچ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس خطے نے بھی اردو کے بلند سے بلند ادیبوں کو جنم دیا تھا۔ بہتر سے بہتر شاعر پیدا کیے تھے اور اچھے سے اچھے صحافیوں کو بروئے کار لایا تھا۔ اس وقت کی اردو تصانیف شعر و ادب اور اردو اخبارات کے متفرق شمارے جو تباہی کی دسترس سے بچ گئے ہیں، کھول کر دیکھیے تو عقل حیران رہ جاتی ہے اور یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اگر اس خطے کا جغرافیائی محل وقوع ہندوستان کے شمالی حصے میں کہیں ہوتا یا اس خطے کی زبان اگر دراویڈی نہ ہو کر کسی ناگری خاندان کی ہوئی ہوتی تو آج یہ خطہ اردو کے چمن میں دہلی یا لکھنؤ کی بہار دکھاتا ہوا ملتا۔ باوجود اس کے کہ مدراس کا محل وقوع جنوب کے اس دور دراز مقام پر ہوا ہے اس کا ماضی اردو کے معاملے میں قریب قریب اتنا ہی شاندار گذرا ہے جتنا شمال کا کوئی اور اردو مرکز۔ اور یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے۔

شمال میں پنجاب اور جنوب میں دکن ابتدا ہی سے اردو کے ابتدائی مرکز رہے ہیں۔ اور اردو اپنے اولین دور میں پنجاب سے ادھر اور حیدرآباد سے نیچے نہیں پھیلی تھی۔ اور پھیلنے کے وسائل بھی بہ نسبت ان مقامات کے جو ان دونوں مرکزوں کے درمیان میں پڑتے تھے، بہت ہی کم تھے۔ کیونکہ ایک تو یہ درمیانی مقامات اردو کی گذرگاہیں بنے ہوئے تھے اور دوسرے یہ کہ ان خطوں کی مقامی زبانیں ناگری خاندان کی تھیں جو اس وقت کی اردو سے بہت زیادہ مختلف بھی نہ تھیں اور اردو کے ساتھ مل جانے کی بہت زیادہ صلاحیت بھی رکھتی تھیں۔ لیکن مدراس کا صوبہ نہ تو اردو کی گذرگاہ میں پڑتا تھا اور نہ یہاں کی زبان اردو سے کسی طرح میل کھاتی تھی۔ یہ خطہ حیدرآباد سے پانچ سو میل سے زیادہ فاصلہ پر جنوب کی سمت میں واقع ہوا تھا۔ یہاں کی مقامی زبان دراویڈی تھی جو نہ ناگری خاندان سے تعلق رکھتی تھی نہ اردو سے گھلنے ملنے کی صلاحیت اس میں موجود تھی۔ یہاں کے تامل بولنے والے باشندوں کے لیے اردو کا سیکھنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ فرنچ یا جرمن زبان کا سیکھ لینا۔ ان حالات میں اردو کا پانچ سو میل سے زیادہ جنوب کی طرف سفر کر کے مدراس پہنچنا اور یہاں بسیرا کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ واقعہ یہاں والوں کی اردو نوازی اور آؤبھگت کا بہت اچھا ثبوت پیش کرتا ہے۔

اس بات کا پتہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ محض بولی کی حیثیت سے اردو یہاں کب سے رائج ہوئی البتہ یہاں سترھویں صدی عیسوی کے اواخر کی کئی ایک اردو شعری تصانیف کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ صحافت کے باب میں مدراس کا خطہ شمال کے اردو مرکزوں کے مقابلے میں پیچھے نظر نہیں آتا۔ "عمدۃ الاخبار" یہاں کا پہلا اخبار بتایا جاتا ہے۔ جس کا اجراء غالباً والاجاہ محمد علی خاں ناظم ارکاٹ کے دوسرے لڑکے عمدۃ الامراء کے زمانے میں ہوا تھا۔ اور عمدۃ الامراء کا انتقال ۱۸۰۲ء میں ہو چکا تھا۔ اگر اس کا سنہ اجراء ۱۸۰۲ء بھی مان لیا جائے تو یہ "اردو اخبار" سے کم از کم چالیس سال پہلے نکل چکا تھا۔ ۱۹۴۵ء سے تو یہاں سے اردو اخبارات متواتر نکلنے لگے تھے۔ جن کی شہرت شمال میں دہلی اور لکھنؤ تک، مشرق میں کلکتہ اور مغرب میں بمبئی تک پھیلی ہوئی تھی۔

مزاحیہ اخباروں میں حال تک "اودھ پنچ" ہی کو قدیم ترین اردو مزاحیہ اخبار سمجھا جاتا تھا لیکن اس سے سترہ سال پہلے ہی مدراس سے "مدراس پنچ" کا اجراء ہو چکا تھا۔ یہ اردو کے مزاحیہ اخباروں میں دوسرا اخبار ہے۔ پہلا مزاحیہ اخبار اس سے تقریباً چار سال پہلے ۱۸۵۵ء میں "مذاق" کے نام سے رامپور سے نکلا تھا۔

اردو کی نثری تصنیفات کے ذکر میں باقر آگاہ کا نام لینا کافی ہے۔ آگاہ اٹھارویں صدی کے آدمی ہیں اور پہلے آدمی ہیں جنھوں نے نہ صرف اردو نثر کو سب سے زیادہ مقبول بنایا بلکہ تعلیم نسواں کی اہمیت پر زور دیا۔ اور ان کے لیے کتابیں لکھیں۔ اردو میں ان کی بیسیوں تصانیف موجود ہیں۔

اردو شاعری بھی ہر دور میں شمال کا اثر برابر لیتی رہی ہے۔ شمال میں جب میر و سودا کا چرچا ہو رہا تھا تو یہاں کے شعراء نے بھی اپنی شاعری میں انھیں کا رنگ بھرنا پسند کیا تھا۔ اور جب وہاں انشا و جرأت کا رنگ جمنے لگا تو یہاں کی شاعری میں بھی تصنع و مبالغہ پیدا ہو گیا۔ غرض کہ بیسیوں مثالیں ہمیں ایسی ملتی ہیں جن کی

موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اردو کی عمر جنوب بعید میں یعنی مدراس کے صوبہ میں بہت کم ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطہ اردو کی اس قدیم عظمت سے محروم ہے جو شمال کے مرکزوں کو حاصل تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسے قدیم ہی سے یہاں وہ عظمت ملی تھی جو کئی اردو مرکزوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں گذری تھی۔ اردو کو یہاں دیسی شاہانہ سرپرستی تو نصیب نہ ہوئی تھی جو اسے شمال میں میسر آئی تھی اور نہ یہاں کے اردو ادیبوں کے آگے ویسی دلچسپیاں تھیں جو شمال میں موجود تھیں۔ یہاں اردو پلی تھی تو وہ عوام اور علماء کے ہاتھوں پلی تھی۔ اس نے یہاں والوں کے دلوں میں جو جگہ پائی تھی وہ ان کی بے لوث محبت سے تھی اور اب بھی نہ صرف یہاں کے مسلمان بلکہ غیر مسلم طبقوں کے بہت سارے افراد بھی اردو بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ خصوصاً مدراس، ترچناپلی، اور شمالی ارکاٹ کے بعض شہروں میں بہت ساری غیر مسلم اقوام اردو آسانی سے بول لیتی ہیں۔ اردو کو آج سب سے کم خطرہ مدراس اور میسور کی ریاستوں میں ہے کیونکہ یہاں نہ اس کی ترقی سے دوسری زبانوں پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے نہ دوسری زبانوں کی مقبولیت اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ یہاں کے بعض شہروں میں کئی ہائی اسکولیں حکومت کی ایسی ہیں جہاں ذریعہ تعلیم صرف اردو ہے۔ یہ ہائی اسکول لڑکے اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہزاروں طلباء اور طالبات ان سے سالانہ مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ اردو کی ترقی کے لیے کئی ادارے بھی کام کر رہے ہیں۔ مقامی مشاعروں کے علاوہ ہر سال تین چار "کل ہند" اور "ہند و پاک" پیمانے کے مشاعرے ضرور ہو جاتے ہیں۔ اکثر مشاعروں میں داخلہ ٹکٹوں سے ہوتا ہے جو دو یا تین روپیوں سے سو روپیوں تک کی ہوتی ہیں۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کسی مشاعرے پر "فل ہوز" کی تختی لگنے سے نہیں چوکتی نہ تین روپیوں کا ٹکٹ بچتا ہے نہ سو روپیوں کا۔

مسلمانوں کے خاص کالجوں کے علاوہ گورنمنٹ کے تقریباً سبھی کالجوں میں اردو کے شعبے موجود ہیں۔ (اب البتہ مدراس کے بعض شہروں میں جہاں اردو پڑھنے کے لیے طالب العلم بالکل نہیں ملتے۔ یہ شعبے ختم ہوتے جا رہے ہیں) یہاں کی یونیورسٹی میں اردو فارسی اور عربی کا شعبہ موجود ہے جہاں تین پروفیسر تحقیقی کاموں پر مامور ہیں۔

شمال کی طرح یہاں بھی اچھے اچھے ادیب اور شاعر موجود ہیں، گو شاعر زیادہ اور ادیب کم سہی۔ لیکن ان کو عوام کے آگے پیش ہونے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں کیونکہ یہاں کے رسائل اور اخبارات اپنی "بزنس پالیسی" کے تحت یا تو صرف شمال کے مقبول فنکاروں کی تخلیقات کو چھاپنا زیادہ پسند کرتے ہیں یا اگر یہاں کے ادیبوں اور شاعروں کو چھاپتے بھی ہیں تو ان کی اشاعت بہت محدود ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان ادیبوں اور شاعروں کی پہونچ دور تک نہیں ہو پاتی۔ شمال کے رسالوں میں بھی یہاں والوں کی تخلیقات حال تک مختلف وجوہات کی بنا پر چھپ نہیں پاتی تھیں لیکن اب وہ بات نہیں رہ گئی ہے۔ آج کل، نیا دور، نگار، جیسے صدی، آستانہ اور سب رس وغیرہ میں اور پاکستان کے بعض رسالوں میں یہاں کے اکثر ادیبوں کی تخلیقات چھپنے لگی ہیں۔

———×——

مراسلات

کچھ سحر عشق آبادی کے مراسلے کے سلسلے میں

"ہماری زبان" مورخہ ۱۵ر نومبر میں سحر صاحب عشق آبادی کا قلم پارہ زیرِ نظر آیا۔ آپ نے مبتلائے فراق اور گرفتار فراق کے تقابل میں کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی۔ اپنی حد تک غلطی تو روا نہ تھی۔ فراق و عراق کا التزام سوقیانہ ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے۔ مدیر "ہماری زبان" کی دعوت سخن آرائی کو مسنون ثابت کرنے کی طفلانہ اپج بھی کچھ خوب نہیں۔ "اجیب الدعوت مسنونہ" کی زد میں کسی کو کوسنے کی دعوت شامل نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کا سہارا لے کر اپنی دعا رکیک کھتا بکھیرنا بھی نفس مضمون سے دور جانے کی بات ہے۔ شارقہ نادرہ۔ موتلفہ اور مستفقہ کی بحث بھی فراق کی "ایک غزل" کا جزو نہیں ہے۔

حضرت سحر عشق آبادی کا یہ فرمان۔ "رزاقی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں طنز و شوخی تحریر پیرطرف کرنے کے بعد کافی حد تک اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن حق نقد پورا نہیں کیا"

اپنی جگہ پر خود ایک معمّا بن جاتا ہے۔ کیونکہ رزاقی صاحب نے نقد سے کام نہیں لیا بلکہ عیب جوئی کی ہے نقد عربی زبان میں عمبی غلہ کو بھوسے سے الگ کر دینا ہے۔ رزاقی صاحب نے غلے کی قدر و قیمت تو دکھائی نہیں بھوسے کو البتہ بکھیرنے کی کوشش کی ہے اور وہ بھی بے ضابطہ۔

سحر صاحب عشق آبادی نے "فی بطن الشاعر" پر بھی نکتہ آرائی کی ہے درحالیکہ عربی زبان سے آشنائی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی شخص اختراع سے کام لے۔

جہاں سحر صاحب عشق آبادی کے یہاں کام کی باتیں بھی مل جاتی ہیں وہاں یہ بے معنی اعتراض بھی ان پر ہنسنے کا موقع دیتا ہے کہ آپ نے حضرت فراق گورکھپوری کے اس شعر کو بھی مورد تشنیع بنایا ہے۔

ع لیے نئے بھی ہیں ہم لوگ کھوئے کھوئے بھی
کہ ہوش غم زدگاں ہے بجا بجا بھی نہیں

سحر صاحب عشق آبادی کا ارشاد ہے کہ شعر کے پہلے مصرع میں ہم "اور دوسرے میں "غم زدگان" درست نہیں۔

ع "ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا" کے مصرع میں شاعر نے اپنے آپ کو ہدف بنا کر طعن کیا ہے جس کا اطلاق مخاطب پر بھی ہوتا ہے یا ع دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے۔ آپ کا تخاطب دو رخا ہے۔ اگر فراق صاحب گورکھپوری نے "غم زدگان" کے زمرے میں اپنے آپ کو رکھ دیا تو قباحت کی بات نہیں ہے۔

میں کسی ذاتی جذبے کے تحت سحر صاحب عشق آبادی سے کد نہیں رکھتا۔ لیکن اپنی بساط کے انوسار چاہتا ہوں کہ علم دوست کسی تحریر سے غلط اثر لے کر گم راہ نہ ہوں۔

(آغا خلش کاشمیری)

استفسار

راقم الحروف کو ایک شاگرد صفی اللہ بھاگلپوری نے مخطوطات کی ایک جلد تحفتاً دی۔ اس میں "دیوان رنجا" کا آخر ورق ہے جس میں غزل کے آخری تین اشعار ہیں۔ مقطع یہ ہے ع

گفت راجا سالہا دارم ہوس
وقت قرُدن پو سیتی جاسیے

کتاب مذکور کا مکمل نسخہ بھی پروفیسر سید حسن عسکری صاحب کی وساطت سے خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے خریدا ہے۔

موخر الذکر کا سن کتابت ۱۲۰۹ھ ہے اور اول الذکر جو راقم الحروف کے پاس ہے) کا ۱۲۱۱ھ دونوں نسخوں میں کاتب کے نام پر گاڑھی روشنائی پھیری ہوئی ہے۔ جس سے نام پڑھا نہیں جاتا۔ موخر الذکر کے کاتب مضافات بھاگلپور کے رہنے والے ہیں اور اول الذکر کے موضع سلیم پور میں مضافات بہار کے۔

پورے دیوان میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ پہلا مصرع فارسی ہے۔ اور دوسرا اردو۔ زبان کی قدامت مذکورہ بالا شعر سے ظاہر ہے۔

قارئین کرام میں کوئی صاحب بذریعہ "ہماری زبان" یا براہ راست راجا کے حالات سے آگاہ فرمائیں۔ شکر گزار ہوں گا۔ (یوسف نجی سجاد منزل۔ محل پر بہار شریف۔ ضلع پٹنہ)

جے پور (راجستھان) میں تقریب تنصیب سنگ بنیاد اردو ریڈنگ روم

جے پور ۳۰ر نومبر آج ساڑھے چار بجے شام بمقام مسلم سیکنڈری اسکول جے پور (متصل سوتی ڈونگری روڈ) "اردو ریڈنگ روم" کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب منجانب انجمن ترقی اردو راجستھان منائی گئی۔ ہزارہا اردو دوستوں کا مجمع تھا۔ نواب صاحب لوہارو (ہیلتھ منسٹر صاحب راجستھان) ولاسٹر صاحب راجستھان، پنڈت رام کشور صاحب ویاس سابق ہوم منسٹر راجستھان، چیئرمین صاحب میونسپلٹی جے پور ڈاکٹر متھرا لال صاحب شرما، اور دیگر معززین و عائدین شہر اور بے شمار اردو دوست مرد و زن نے شرکت کی پنڈال نہایت شاندار اور آراستہ تھا۔ اور مہمانوں کی کثرت سے اسکول کا وسیع و عریض احاطہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے مہارانی گائتری دیوی صاحبہ آنجہانی جے پور ممبر پارلیمنٹ کار میں تشریف لائیں جن کی پرجوش طریقہ پر پیشوائی کی گئی اور فوٹو لیے گئے۔ ان کے ڈائس پر تشریف لانے تالیوں کی گونج میں اوّل معززین و عائدین نے ہار پھول پیش کیے اس کے بعد وہ خواتین کے مجمع میں تشریف لے گئیں جہاں اور بھی کثرت سے پھولوں کے گجرے پیش کیے گئے۔ اس کے بعد ان کے ڈائس پر تشریف فرما ہونے پر اوّل خان بہادر حاجی الطاف احمد صاحب خیری صدر انجمن ترقی اردو راجستھان نے استقبالیہ و تعارفی تقریر نہایت جامع و مانع الفاظ میں کی جس میں آپ نے بتایا کہ انجمن ترقی اردو ہند ایک ادبی ادارہ ہے جس کا مقصد اولین اردو زبان اور اردو ادب کو ترقی دینا اس کا تحفظ اور اس کا جائز حقوق اس کو دلوانا اور اس کی ترویج میں ہر ممکن دیرامن جد و جہد کرنا ہے۔ یہ انجمن تقریباً پچاس سال گذشتہ سے ہندوستان میں قائم ہے اور تقریباً سب ریاستوں ہی میں اس کی شاخیں قائم ہیں۔ جے پور میں اوّل اس کی مقامی شاخ مارچ سنہ ۵۲ء میں قائم ہوئی اور مارچ سنہ ۵۶ء میں ریاستی شاخ بنی جس کی شاخیں راجستھان کے ہر بڑے شہر اور بہت سے قصبات اور دیہات تک میں قائم ہیں۔ اس کی خدمات کا حال اس کی شائع کردہ روداد کل راجستھان اردو کنونشن" اور روداد کل راجستھان اردو سمپوزیم" اور روداد کل ہند اردو کانفرنس" کے ملاحظہ سے واضح ہوگا۔ آپ نے مہارانی صاحبہ کا اور حاضرین و شعرا کا بھی شکریہ ادا کیا۔ اور مہارانی صاحبہ سے "مہاراجہ سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم" کا سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ مہارانی صاحبہ موصوفہ نے تالیوں کی گونج میں اپنا خطبہ بھی پڑھا۔ جس کا متن شائع کیا جا رہا ہے۔ اور سنگ بنیاد بھی رکھا۔ اس کے بعد مولوی احترام الدین احمد شاغل صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان کا ایک مدحیہ قطعہ جو نہایت آسان اردو میں تھا۔ فرید ایوبی صاحب نے ترنم سے سنایا جس کا شعر ہے

شہر جے پور کو کیا آباد
مہاراجہ سوائی جے سنگھ نے

جو بہت پسند کیا گیا۔ ساتھ ہی سنگ بنیاد رکھنے کے بعد حاضرین کی خدمت میں شیرینی بھی پیش کی گئی۔

شاغل صاحب کے قطعہ کے بعد حسب ذیل شعراء نے اپنے قطعات مدحیہ پیش کیے۔ فرید ایوبی، آرزو جے پوری، پارسا کوٹوی، لے پر دانف، سالک عزیزی، منظر کوثری، راہی بلند شہری، حضرت سخن اور جناب شمیم (افتخار) شمیم صاحب ہی نے مشاعرہ کنڈکٹ کیا۔ جے پور کے تمام ہی شعرا شریک تھے مگر محدود وقت ہونے کے باعث انھیں حضرات نے اپنا کلام سنایا۔ اور پونے چھ بجے شام نہایت کامیابی کے ساتھ یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

محمد عبد الواسع اکمل
(اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

نقل خطبہ مہارانی گائتری دیوی صاحبہ

خواتین و حضرات!

انجمن ترقی اردو راجستھان کی دعوت پر آج یہاں آکر اور آپ سب اردو دوستوں، شاعروں اور ادیبوں سے مل کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں انجمن ترقی اردو جے پور نے ایک کل راجستھان اردو کنونشن منعقد کیا تھا اور اس موقع پر اردو کے نایاب مخطوطات۔ عربی فارسی اور اردو کی نادر کتابیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے اردو اخبارات وغیرہ کی نمائش بھی کی تھی اور اس نمائش کا مجھ سے افتتاح بھی کرایا تھا۔ اس کے بعد انجمن ترقی اردو راجستھان نے ۱۹۶۲ء میں "کل راجستھان اردو سمپوزیم" کیا اور آج سے تقریباً ایک سال قبل اکتوبر سنہ ۷۴ء میں "کل ہند اردو کانفرنس اور مشاعرہ" ہوا مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ان میں شریک نہ ہو سکی اس لیے ایک عرصہ کے بعد آج اس تقریب میں شریک ہونے کا موقع حاصل ہونے پر مجھے اور زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔

کچھ عرصہ ہوا انجمن کا ایک وفد مجھ سے ملا تھا اور اپنی وہ تجویزیں میرے سامنے رکھی تھیں اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر جے پور نے جو اپنی پریوی پرس یعنی جیب خاص سے ایک ٹرسٹ سوائی جے سنگھ بینی وولنٹ ٹرسٹ کے نام سے قائم کیا ہے اور جس میں سے

غریب طلبہ و طالبات اور دیگر غربا کو وظیفے، امداد، قرضے وغیرہ دئے جاتے ہیں اور تعلیمی اداروں اور کھیل کود کی انجمنوں وغیرہ کو امداد دی جاتی ہے۔ اس میں سے کچھ رقم انجمن کے دونوں منصوبوں کے لیے دوں چنانچہ خیری صاحب جو انجمن کے صدر اور بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر بھی ہیں ان سے مشورے کے بعد سوائی جے سنگھ بینیوولنٹ فنڈ سے دس ہزار روپے کی رقم انجمن کو ایک اردو ریڈنگ روم کے لیے دی گئی۔

مجھے خوشی ہے کہ انجمن نے اس ریڈنگ روم کا نام "سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم" رکھا ہے۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ مہاراجہ سوائی جے سنگھ نہ صرف اس خوبصورت شہر کے بانی تھے بلکہ دانا ملک اور سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عالم بھی تھے۔ ان کو فلکیات اور ریاضی سے خاص شغف تھا اور آج بھی ان کے بنائے ہوئے "جنتر منتر" یہاں اور نئی دلی میں ان کے علمی اور سائنسی رجحانات کی واضح نشانیاں ہیں۔ مہاراجہ سوائی جے سنگھ کو ادب اور شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اس لیے بہت مناسب ہے کہ انجمن ترقی اردو راجستھان جو دارالمطالعہ شہر جے پور میں تعمیر کر رہی ہے اس کا نام "سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم" ہو۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب اردو دوستوں کے تعاون اور امداد سے آپ کی انجمن جلد سے جلد اس ریڈنگ روم کی تعمیر کرائے گی اور اس دارالمطالعہ کے باقاعدہ جاری رکھنے کا بھی مناسب اور معقول انتظام ہو جائے گا اور اس ریڈنگ روم میں اردو دان حضرات بیٹھ کر اردو کے اخبارات اور رسالے وغیرہ پڑھ سکیں گے اور اس میں بیٹھ کر اردو کی ترویج و ترقی کے لیے بھی مفید کام ہو سکے گا۔

اگرچہ میری مادری زبان اردو نہیں ہے اور مجھے اردو اچھی طرح نہیں آتی تاہم مجھے اردو سے اُنس ہے اور میں اردو شاعری کو پسند کرتی ہوں۔ اردو ہمارے ملک کی خوبصورت ترین اور ترقی یافتہ زبانوں میں سے ایک ہے اور اس زبان کی تعلیم کا ضرور انتظام ہونا چاہیے ورنہ اگر اس ملک میں اردو نہ رہی تو بڑی بدنصیبی کی بات ہوگی۔ میری دلی خواہش ہے کہ اردو خوب ترقی کرے۔

میں امید کرتی ہوں کہ ہمارا خاندان جس نے ہمیشہ سنسکرت، ہندی اور اردو کی سرپرستی کی ہے بدستور اردو کی بھی حمایت اور امداد کرتا رہے گا۔

مجھے آج یہاں آکر بہت خوشی ہوئی اور میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے بلایا اب میں "سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم" کا سنگ بنیاد رکھتی ہوں۔

کریم نگر ضلع کے اردو کارکنوں کے اجتماع میں
جناب مکند لال مصرا کی تقریر

کریم نگر ۲۹ رنومبر۔ انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کی جانب سے بتاریخ ۲۸ رنومبر ۱۹۶۵ء بوقت ڈھائی بجے دن، بمقام ضلع پریشد کمیٹی ہال، بصدارت مسٹر مکند لال مصرا ایڈوکیٹ و صدر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر، ضلع کے اردو کارکنوں کا اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مستقر کریم نگر کے علاوہ جگتیال، کوریٹلہ، ویملواڑہ، ترگلہ، مدی کنڈہ، منگنور، کتہ پلی حویلی اور رام گنڈم کے کارکنوں نے شرکت کی۔

مسٹر مکند لال مصرا نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کے دستور میں ابتدائی تعلیم مفت دینے کی ضمانت دی گئی ہے۔ مگر پنچایتی راج کے نفاذ کے بعد ابتدائی مدارس کے قیام کے لیے عوامی اعانت یا پبلک کانٹری بیوشن کے نام سے عوام سے جو چندہ لیا جا رہا ہے، وہ صریح دستورِ ہند کے خلاف ہے۔ زبانی اعلانات سے اردو کے حقوق کا تحفظ نہیں ہو سکتا، انھیں قانونی موقف عطا ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں موثر اقدامات کرنے ہوں گے۔ اردو تعلیم کے سلسلے میں اربابِ مجاز کا طریقہ کار ناقابل برداشت بن گیا ہے ناخواندگی اور جہالت کی موجودگی میں کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا۔

مہمانِ خصوصی جناب سر نیواس لاہوٹی معتمد تنظیمی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے کہا کہ میں اس سے پہلے بھی کئی بار کریم نگر آچکا ہوں۔ مجھے مسرت ہے کہ یہاں اردو کے دلدادہ بہت ہیں۔ یہاں کے اردو کارکن ایک جوش و ولولہ رکھتے ہیں اور پرخلوص واقع ہوئے ہیں۔ آج اردو کے کئی مسائل ہیں۔ انجمن ترقی اردو ان مسائل کی یکسوئی کے لیے لگاتار کوشش کر رہی ہے۔ مگر کمل کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ دیہات دیہات میں انجمن کی شاخیں قائم کی جائیں۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ انجمن ترقی اردو کے ممبر بنیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے تعلق سے ہم خود بھی کوشاں رہیں اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کر کے انھیں دور کریں، اور اپنے بچوں کو اردو تعلیم دلوائیں تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہمارے بچے پڑھ لکھ کر صرف کلرک یا حکومت کے ملازمین بن جائیں۔ بلکہ انھیں تعلیم دینے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اچھے شہری بنیں۔ تلگو کو سرکاری زبان بنانے کے فیصلے کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اردو کو بھی اس کا اپنا جائز اور قانونی حق ملے۔

ابتدا میں جناب ابوالمکارم غازی الدین کمال کریم نگری

معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر نے پچھلے اجتماع کی مختصر روئیداد بیان کی۔

جناب عبد القادر رضا ردی معتمد انجمن ترقی اردو شاخ جگتیال، جناب احمد غوث الدین صدیقی معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ترکلہ مدی گنٹہ، جناب حسن محمد صدر انجمن ترقی اردو شاخ منتھنی، جناب محمد یوسف الدین معتمد انجمن ترقی اردو شاخ کتہ پلی حویلی، جناب محمد سعید یعقوب (رام گنڈم)، جناب سید عبد القادر (کریم نگر) جناب محمد اسمٰعیل (کوڑمیال)، جناب حکیم ابو النصر ناصر علی صدیقی ناقر (کریم نگر)، جناب سید احمد سعید رضا (کریم نگر) اور جناب ریاست علی صدیقی ناتج کریم نگری نے اپنے اپنے علاقوں کے مسائل پر اظہار خیال کیا۔

جناب کمال کریم نگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کے شکریہ کے ساتھ کریم نگر ضلع کے اردو کارکنوں کے اجتماع کا اختتام عمل میں آیا۔

(ابو المکارم غازی الدین کمال)
سکریٹری

ہماری زبان کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

تبصرہ

ڈاکٹر محمود الٰہی

مطالعۂ امیر ـــــ ڈاکٹر ابو محمد سحر

"مطالعۂ امیر" ایک ایسا تحقیقی مقالہ ہے جس پر اس کے مصنف ڈاکٹر ابو محمد سحر بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ موصوف ادبی اور علمی دنیا میں اردو میں "قصیدہ نگاری" اور تنقید و تجزیہ کی بنیاد پر شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ غلط نہیں تھیں۔ ان کی رفتار تحقیق ارتقا پذیر ہے اور ان کا شعور پختہ تر ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے یہ مقالہ جناب مسیح الزماں [صاحب اردو تنقید کی تاریخ] استاد شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی کی نگرانی میں لکھا اور اس پر آگرہ یونیورسٹی نے پچھلے سال انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ مقالہ دس ابواب اور ۴۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے شایع کیا ہے اور قیمت آٹھ روپے ہے۔

امیر مینائی کی شاعری ایک ایسے دور میں پروان چڑھی جب زندگی علم و ادب کی متضاد قوتیں ایک دوسرے سے متصادم تھیں اور جن میں سے ایک کی نمائندگی خود امیر مینائی نے کی۔ یہ دور اس لحاظ سے بھی قابل توجہ ہے کہ اس میں پرانی قدریں کبھی جا کے نئے ڈھونڈتی تھیں اور کبھی سمجھوتے کی راہ نکالتی تھیں۔ اس دور کا ادبی مزاج اقتدار و ترک کی کشاکش میں گزرتا تھا۔ لوگ راہبر کو نہیں پہچانتے تھے کوئی تھوڑی دور راہبر کے ساتھ چل کر رک جاتا تھا، کوئی پیچھے ہٹتا تھا اور کوئی آگے بڑھ جاتا تھا۔ کشاکش ہیر و راہ رو کے نشانات اس دور کے شعر و ادب میں نمایاں ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے یہ سارے نشانات سمیٹ لیے ہیں لیکن اب تک اس دور کے نشیب و فراز کو سامنے رکھ کر امیر مینائی کے اکتسابات کا بھرپور جائزہ نہیں لیا گیا تھا۔ یہ ایک مشکل کام تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ کوشش کی اور ہماری معلومات میں گراں قدر اضافے کیے۔

اگرچہ ہمارے یہاں تحقیق کے چند اعلیٰ نمونے ملتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ فن ابھی اپنی ابتدائی منزلوں میں ہے۔ ہماری بہترین صلاحیتیں اوراق کے شمار، ماخذ کی فراہمی اور مخطوطات کی نشاندہی میں صرف ہو رہی ہیں۔ یہ چیزیں تحقیق کے مبادیات میں شامل ہیں لیکن دراصل محقق کا کام یہ ہے کہ وہ موجود و معلوم مواد کی روشنی میں متعلقہ مسئلے کے بارے میں ایک نیا نقطۂ نظر پیش کرے اور علم و ادب کی رفتار ترقی میں ان کی افادیت و اہمیت واضح کرے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے امیر مینائی کے سلسلے میں صرف خام مواد فراہم نہیں کیا یا ان کے اکتسابات کی فہرست سازی نہیں کی بلکہ اس مواد سے انھوں نے فائدہ اٹھایا اور اس کی روشنی میں ان کا مقام متعین کیا۔ انھوں نے دوسرے ناقدین اور محققین کے اقوال کو پرکھا اور بعض اہم غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ تحقیق کی دنیا میں صحت مند تنقیدی شعور ان کی رہنمائی کرتا رہا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ تو امیر مینائی کے معاصر اخبارات و رسائل سے انھوں نے بھرپور استفادہ کیا اور نہ ان کے بعض تلامذہ کے اخبارات و رسائل سے زیادہ مواد حاصل کیا لیکن یہ کمی اس مقالے کی اہمیت کے راستے میں حائل نہیں ہوتی۔ اس کا شمار چند اچھے تحقیقی مقالوں میں ہوگا۔
